ایک غیر روایتی کہانی

محمد عامر خاکوانی

20 جولائی 2009 روزنامہ ایکسپریس

آج کی کہانی شروع کرنے سے پہلے ایک چھوٹی سی کہانی پڑھئے کہ پسِ منظر سمجھے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

یہ کوئی تین عشرے پہلے کی بات ہے جب بنگلہ دیشی ماہر معاشیات پروفیسر محمد یونس نے غریب بنگلہ آبادی کے مسائل پر غور کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ معاشیات کے روایتی اصولوں سے غربت کم نہیں ہوتی۔ پروفیسر کو معلوم تھا کہ غربت کی دلدل سے نکلنے کے لئے کچھ نہ کچھ سرمایہ لازمی درکار ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ بینک اپنے اصولوں کے مطابق جائیداد، زیور یا کوئی اور اثاثہ رکھے بغیر قرض نہیں دیتے۔ ظاہر ہے جس غریب کے پاس کھانے کو روٹی نہیں وہ مادی اثاثے کہاں سے لائے گا۔ چٹاگانگ یونیورسٹی میں معاشیات پڑھانے والا پروفیسر یونس اس پر غور کرتا رہا۔ آخر اس نے ایک تھیوری پیش کی کہ اپنی زندگی سدھارنے کے لیے قرضہ حاصل کرنا ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ آئین میں دیئے گئے دوسرے بنیادی حقوق کی طرح یہ بھی اس کا حق ہے کہ وہ قرضہ لے سکے۔ پروفیسر نے سوشل کولیٹرل کی ایک نئی اصطلاح متعارف کرائی۔ اس نے چند دیہاتی خواتین کو چھوٹا قرضہ دیا۔ ان سب نے نہ صرف قرضہ واپس کر دیا بلکہ ان کی مالی حالت بھی بہتر ہوگئی۔ آخر 1983ء میں پروفیسر محمد یونس نے مائیکرو کریڈٹ فنانس دینے والا دنیا کا پہلا بینک ''گرامین'' قائم کیا۔ پروفیسر نے تین بنیادی اصول طے کئے۔ قرضے لینے کے لیے کوئی جائیداد گروی نہیں رکھوانی ہوگی' صرف اپنی سماجی ساکھ اور شخصی ضمانت پر چھوٹا قرضہ دے دیا جائے گا۔ عام بینکوں میں لوگ قرضے لینے آتے ہیں' گرامین کا سٹاف خود دیہات میں غریبوں تک قرضے دینے کے لیے پہنچے گا۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ قرضہ دینے میں خواتین کو ترجیح دی جائے گی۔

گرامین بینک نے ایک نیا ٹرینڈ قائم کیا۔ ورلڈ بینک گرامین کو ماڈل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ آج دنیا میں ہزاروں مائیکرو فنانس ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ خود بنگلہ دیش میں 10 ہزار سے زائد ایسے ادارے ہیں۔ اس وقت گرامین بنگلہ دیش میں ستر لاکھ سے زائد افراد کو قرضے دے چکا

ہے۔ ان میں 97 فیصد خواتین ہیں۔ پروفیسر یونس کو 2006ء میں نوبل انعام بھی مل چکا ہے۔ گرامین کامیابی کی ایک حیران کن داستان ہے مگر یہ ہماری کہانی نہیں۔

ہماری اصل کہانی ڈاکٹر امجد ثاقب سے شروع ہوتی ہے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کرنے والا نوجوان ڈاکٹر' جو سول سروس کا امتحان پاس کر کے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ میں آ گیا۔ اسے پڑھنے لکھنے میں دلچسپی تھی۔ سینکڑوں عمدہ اشعار یاد تھے۔ اچھی نثر لکھ سکتا تھا۔ پنجاب کے ایک شہر چنیوٹ پر ایک کتاب ''شہرِ لب دریا'' بھی لکھی۔ یہ بھی معمول کی ایک کہانی ہے۔ بیوروکریسی ایسے درجنوں ''سخن فہم'' افسروں سے بھری ہے۔ لیکن ڈاکٹر امجد روایتی لگی بندھی زندگی گزارنے والا شخص نہیں تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ سرکاری ملازمت میں رہ کر معاشرے میں ٹھوس تبدیلی نہیں لا سکتا۔ اس نے اپنے شاندار کیریئر کو چھوڑ کر استعفیٰ دے دیا۔ انہی دنوں وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے چھوٹے قرضے دینے کے لیے پنجاب رورل سپورٹ پروگرام کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ ڈاکٹر امجد نے پی آر ایس پی جوائن کر لیا۔ وہ یہاں پروفیسر یونس ماڈل کے مطابق ''غربت دور کرنے'' کی کوشش کرتے رہے۔ ڈاکٹر امجد ثاقب کو محسوس ہوا کہ اگرچہ پروفیسر یونس نے بنکاری کے روایتی اصولوں سے انحراف کر کے ایک انقلابی تجربہ کیا، مگر اس میں کچھ نقائص موجود ہیں جنہیں دور ہونا چاہیے۔ مثلاً دنیا بھر کے مائیکروفنانس ادارے اپنے قرضے پر 35 سے 60 فیصد تک مارک اپ یا سود وصول کرتے ہیں۔ یہ بلند شرح دو وجوہات کی بنا پر تھی۔ ایک تو یہ کہ بینک خود مارکیٹ سے دس' پندرہ فیصد پر سرمایہ بطور قرض لیتے ہیں۔ پھر غریبوں تک ان کے دیہات میں قرضے دینے پر آپریشنل کاسٹ خاصی آ جاتی ہے۔ یہ سب اخراجات تیس فیصد سے تجاوز کر جاتے۔ گرامین بینک اس وقت 35 فیصد کے قریب مارک اپ وصول کر رہا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ بہت سے غریب اتنا بھاری سود دیتے ہوئے مزید غریب ہو گئے یا انہیں ایک اور قرضہ لینا پڑا۔ دراصل سوشل کولیٹرل ایک طرح کا سوشل پریشر بھی ہوتا ہے۔ جس گاؤں سے کسی نے گرامین کا قرضہ واپس نہیں کیا تو وہاں دوسرا قرضہ نہیں ملتا تھا۔ یوں گاؤں والے کسی ڈیفالٹر کو جینے نہیں دیتے۔ مجبوری کے عالم میں لوگ قسطیں تو دیتے رہتے مگر ان کی مالی حالت میں خاطر خواہ فرق نہ پڑتا۔ لگ بھگ یہی صورتحال دنیا بھر کے مائیکروفنانس

اداروں نے پیدا کر رکھی تھی۔ پھر صرف خواتین کو قرضے دینے سے گھر ٹوٹنے لگے۔ گرامین اس سماجی مسئلے کا کوئی حل نہیں نکال سکا۔ ڈاکٹر امجد ثاقب اس پر غور کرتے رہے' حتیٰ کہ سات سال پہلے لاہور کی ایک کچی آبادی کی رہائشی رضیہ بی بی نے انہیں ایک نئے خیال کی طرف توجہ دلائی۔

رضیہ بی بی ایک بیوہ مگر خوددار خاتون تھی۔ مالی حالات بگڑ گئے تھے۔ اس نے ڈاکٹر امجد کے ایک جاننے والے سے قرضے کے لیے بات کی۔ ڈاکٹر امجد ثاقب نے اسے چھوٹے قرضے کی پیش کش کی۔ رضیہ بانو نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ سود سے بچنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر امجد حیران رہ گئے، پھر انہوں نے کچھ رقم بطور صدقہ خیرات دینا چاہی۔ حساس خاتون نے دوبارہ انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ روز قیامت یوں نہیں اٹھنا چاہتی کہ اس کی پیشانی پر گدائی کا داغ ہو۔ رضیہ بی بی نے قرضِ حسنہ کی درخواست کی جسے وہ قسطوں میں واپس لوٹانا چاہتی تھی۔ اسے دس ہزار روپے کا قرضِ حسنہ دے دیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر امجد ثاقب نے سوچا کہ جانے کتنے لوگ سود سے پاک قرضِ حسنہ لینا چاہتے ہوں گے۔ وہ پنجاب رورل سپورٹ پروگرام سے مستعفی ہو گئے۔ پھر انہوں نے اپنے چند دوستوں پروفیسر ہمایوں احسان، ڈاکٹر اظہار الحق ہاشمی، ڈاکٹر کامران شمس اور سلیم رانجھا کے ساتھ مل کر ادارہ اخوت کی بنیاد ڈالی۔ اخوت کی اصطلاح مواخاتِ مدینہ سے مستعار لی گئی۔ جب سرکارِ مدینہ ﷺ نے ایک لٹے پٹے مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔

دس ہزار سے شروع ہونے والا اخوت کا سفر کامیابی کی ایک اور حیران کن داستان ہے۔ آج 46 ہزار سے زیادہ گھرانوں میں پچاس کروڑ کے قریب قرضِ حسنہ تقسیم کیا جا چکا ہے۔ اخوت دنیا کا واحد ادارہ ہے جو بلاسود چھوٹا قرضہ دینے کے ساتھ کسی قسم کے سروس چارجز بھی وصول نہیں کرتا۔ اخوت کے ڈائریکٹرز نے 4 بنیادی اصول طے کئے۔ 1۔ کسی قرضے پر سود نہیں لینا۔ 2۔ اجتماع مساجد میں کئے جائیں گے۔ اخوت کے قرضے دینے کی ہر تقریب کسی مسجد میں ہوگی۔ 3۔ حکومت یا عالمی ادارے سے مدد نہیں لینی۔ 4۔ اخوت کی مینجمنٹ سے وابستہ ہر شخص بطور رضا کار کام کرے گا۔ اس کا کوئی مالی مفاد اخوت سے وابستہ نہیں ہوگا۔

اخوت کی ویب سائٹ www.akhuwat.org.pk میں اس کے سٹرکچر اور سسٹم کی پوری

تفصیل موجود ہے۔ انہیں کوئی نیا آئیڈیا یا رائے دینے والے contact@akhuwat.org.pk پر ای میل کر سکتے ہیں۔

میرے نزدیک اخوت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تین چار اہم عوامی مغالطے دور کئے ہیں۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ پاکستانی قوم اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود ابھی اخلاقی طور پر زندہ ہے۔ پاکستانی غریب بے ایمان یا فراڈی نہیں۔ اخوت کی ریکوری شرح 99.77 فیصد ہے جو گرامین سے بھی بہتر ہے۔ اخوت کی مدد پاکستانیوں نے ہی کی ہے۔ دس ہزار سے پچاس کروڑ تک سرمایہ اہلِ خیر کے تعاون ہی سے پہنچا۔ معلوم ہوا کہ لوگ دینا چاہتے ہیں' مسئلہ صرف یہ ہے کہ کریڈیبلٹی رکھنے والے ادارے کم ملتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اخوت نے مائیکروفنانس کا ایک کامیاب اسلامک ماڈل پیش کیا ہے۔ ایسا ماڈل جو سود کی بجائے قرضِ حسنہ کے اسلامی تصور پر قائم ہے۔ اخوت نے مائیکرو کریڈٹ فنانس کے جدید تصور کی تمام خوبیاں لے کر ان کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیا۔ ایک ایسا کام جو مسلم دنیا کو ہر شعبے میں کرنا چاہیے۔۔۔۔ کہ ابدی اصولوں اور جدید تحقیق کے امتزاج ہی سے قابلِ عمل نظام تشکیل ہو سکتا ہے۔